(کہانی کے اوصاف)

BA Part-II

چوتھی کا جوڑا

(عصمت چغتائی)

سہ دری کے چوکے پر آج پھر صاف ستھری جازم بچھی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی کھپریل کی جھریوں میں سے دھوپ کے آڑے ترچھے قتلے پورے دالان میں بکھرے ہوئے تھے۔ محلے ٹولے کی عورتیں خاموش اور سہمی ہوئی سی بیٹھی ہوئی تھیں۔ جیسے کوئی بڑی واردات ہونے والی ہو۔ ماؤں نے بچے چھاتیوں سے لگائے تھے۔ کبھی کبھی کوئی منحنی سا چرچرا سا بچہ رسد کی کمی کی دہائی دے کر چلا اٹھتا ہے۔ "نائیں نائیں میرے لال" دبلی پتلی ماں اسے اپنے گھٹنے میں لٹا کر یوں ہلاتی جیسے دھان ملے چاول سوپ میں پھٹک رہی ہو۔ اور بچہ ہنکارے بھر کر خاموش ہو جاتا۔

آج کتنی آس بھری نگاہیں کبری کی ماں کے متفکر چہرے کو تک رہی تھیں۔ چھوٹے عرض کی ٹول کے دو پاٹ تو جوڑ لیے گئے تھے۔ مگر ابھی سفید گزی کا نشان بیونتنے کی کسی کو ہمت نہ پڑی تھی۔ کاٹ چھانٹ کے معاملے میں کبری کی ماں کا مرتبہ بہت اونچا تھا۔ ان کے سوکھے سوکھے ہاتھوں نے نہ جانے کتنے جہیز سنوارے تھے۔ کتنے چھٹی چھوچھک تیار کیے تھے اور کتنے ہی کفن بیونتے تھے۔ جہاں کہیں محلے میں کپڑا کم پڑ جاتا اور لاکھ جتن پر بھی بیونت نہ بیٹھتی۔ کبری کی ماں کے پاس کیس لایا جاتا۔ کبری کی ماں کپڑے کی کان نکالتیں، کلف توڑتیں۔ کبھی چوکونا کرتیں اور دل ہی دل میں قینچی چلا کر آنکھوں سے ناپ تول کر مسکرا پڑتیں۔

آستین اور گھیر تو نکل آئے گا۔ گریبان کے لیے کترن میری بقچی سے لے لو اور مشکل آسان ہو جاتی۔ کپڑا تراشتے کر وہ کترنوں کی پنڈی بنا کر پکڑا دیتیں۔ پر آج تو سفید گزی کا ٹکڑا بہت ہی چھوٹا تھا۔ اور سب کو یقین تھا کہ آج تو کبری کی ماں کی ناپ تول ہار جائے گی۔ جب ہی تو سب دم سادھے ان کا منہ تک رہی تھیں۔ کبری کی ماں کے پر استقلال چہرے پر فکر کی کوئی شکن نہ تھی۔ چار گرہ گزی کے ٹکڑے کو وہ نگاہوں سے بیونت رہی تھیں۔ لال ٹول کا عکس ان کے نیلگوں زرد چہرے پر شفق کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ وہ اداس اداس گہری جھریاں اندھیری گھٹاؤں کی طرح ایک دم اجاگر ہو گئیں۔ جیسے گھنے جنگل میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ اور انہوں نے مسکرا کر قینچی اٹھائی۔

محلے والیوں کے جمگھٹ سے ایک لمبی اطمینان کی سانس ابھری۔ گود کے بچے بھی ٹھسک دیئے گئے۔ چیل جیسی نگاہوں والی کنواریوں نے لپا جھپ سوئی کے ناکوں میں ڈورے پروئے۔ نئی بیاہی دلہنوں نے انگشتانے پہن لیے۔ کبری کی ماں کی قینچی چل پڑی۔

دو پہر کا کھانا نمٹا کر اسی طرح کبری کی ماں کی چوکی پر جا بیٹھتی تھیں اور بقچہ کھول کر رنگ برنگے کپڑوں کا جال بکھیر دیا کرتی تھیں۔ کونڈی کے پاس بیٹھی برتن مانجھتی ہوئی کبری کن انکھیوں سے ان لال کپڑوں کو دیکھتی تو ایک سرخ چھپکلی سی اس کے زردی مائل مٹیالے رنگ میں لپک اٹھتی۔

زرد پیلی کٹوریوں کے جال پورے پورے ہاتھوں سے کھول کر اپنے رانوں پر پھیلا دیتی تو ان کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک عجیب ارمان بھری روشنی سے جگمگا اٹھتا۔ گہری صندوقوں جیسی شکنوں پر کٹوریوں کا عکس ننھی ننھی مشعلوں کی طرح جگمگانے لگتا ہر ٹانکے پر زری کا کام ہلتا اور مشعلیں کپکپا اٹھتیں۔

یاد نہیں کب اس شبنمی دوپٹے کے بنے ٹکے تیار ہوئے اور گاڑی کے بھاری قبر جیسے صندوق کی تہہ میں ڈوب گئے۔ کٹوریوں کے جال دھندلا گئے۔ گنگا جمنی کرنیں ماند پڑ گئیں۔ طولی کے لچھے اداس ہو گئے۔ مگر کبریٰ کی بارات نہ آئی۔ جب ایک جوڑا پرانا ہو جاتا تو اسے چالے کا جوڑا کہہ کر سینت دیا جاتا اور پھر ایک نئے جوڑے کے ساتھ نئی امیدوں کا افتتاح ہو جاتا۔ بڑی چھان بین کے بعد نئی دلہن چھانٹی جاتی۔ صحنچی کے چوکے پر صاف ستھری جازم بچھتی۔ محلے کی عورتیں ہاتھوں میں پان دان اور بغلوں میں بچے دبائے جھانجھ بجاتی آن پہنچتیں۔

"چھوٹے کپڑے کی گوٹ تو اتر آئے گی۔ پر بچیوں کا کپڑا نہ نکلے گا"

لو اور سنو۔ تو کیا نگوڑی ماری ٹول کی چولیں پڑیں گی اور پھر سب کے چہرے فکر مند ہو جاتے۔ کبریٰ کی ماں خاموش کیمیاگر کی طرح آنکھوں کے فیتے سے طول و عرض ناپتیں اور بیویاں آپس میں چھوٹے کپڑے کے متعلق کھسر پھسر کر کے قہقہے لگاتیں۔ ایسے میں کوئی منچلی کوئی سہاگ یا بنا چھیڑ دیتی کوئی اور چار ہاتھ آگے والی سمدھنوں کو گالیاں سنانے لگتی۔ بے ہودہ گندے مذاق اور چہلیں شروع ہو جاتیں۔ ایسے موقعوں پر کنواری بالیوں کو سہ دری سے دور سر ڈھانک کر کھپریل میں بیٹھنے کا حکم دے دیا جاتا اور جب کوئی نیا قہقہہ اٹھتا تو بے چاریاں ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتیں۔ اللہ یہ قہقہے انہیں خود کب نصیب ہوں گے

اس چہل پہل سے دور کبریٰ شرم کی ماری مچھروں والی کوٹھری میں سر جھکائے بیٹھی رہتی۔ اتنے میں کترن بیونت نہایت نازک مرحلے پر پہنچ جاتی۔ کوئی کلی الٹی کٹ جاتی اور اس کے ساتھ بیویوں کی مت بھی کٹ جاتی۔ کبریٰ سہم کر دروازے کی آڑ سے جھانکتی۔

یہی مشکل تھی کہ کوئی جوڑا اللہ مارا چین سے نہ سلنے پایا۔ جو کلی الٹی کٹ جائے تو لو نائن کی لگائی ہوئی بات میں ضرور کوئی اڑنگا لگے گا یا تو دولہا کی کوئی داشتہ نکل آئے گی یا سمجھو تو مہر پر بات ٹوٹے گی یا بھرت کے پایوں کے پلنگ پر جھگڑا اٹھے گا۔

چوتھی کے جوڑے کا شگون بڑا نازک ہوتا ہے۔ بی اماں کی ساری مشاقی اور سگھڑاپا دھرا رہ جاتا ہے۔ نہ جانے عین وقت پر کیا ہو جاتا ہے کہ دھنیا برابر بات طول پکڑ جاتی ہے

بسم اللہ کے زور سے سگھڑ ماں نے جہیز جوڑنا شروع کر دیا تھا۔ ذرا سی کترن بھی بچی تو تیلے دانی یا شیشی کا غلاف سی کر دھنک گوکھرو سے سنوار کر رکھ دیتیں۔ لڑکی کا کیا ہے۔ کھیرے ککڑی کی طرح بڑھتی ہے جو برات آگئی تو یہی سلیقہ کام آئے گا۔

اور جب سے ابا گزرے سلیقہ کا بھی دم پھول گیا۔ حمیدہ کو ایک دم اپنے ابا یاد آگئے۔ ابا کتنے دبلے پتلے لمبے جیسے محرم کا علم۔ ایک بار جھک جاتے تو سیدھے کھڑا ہونا دشوار تھا۔ صبح ہی صبح اٹھ کر نیم کی مسواک توڑ لیتے اور حمیدہ کو گھٹنے پر بٹھا کر نہ جانے کیا سوچا کرتے۔ پھر سوچتے سوچتے نیم کی مسواک کا کوئی پھونسڑا حلق میں چلا جاتا اور وہ کھانستے ہی چلے جاتے۔ حمیدہ بگڑ کر ان کی گود سے اتر آتی۔ کھانسی کے دھکوں سے اسکے یوں ہل ہل جانا قطعی پسند نہ تھا۔ اس کے ننھے سے غصے پر وہ اور ہنستے اور کھانسی سینہ میں بے طرح الجھتی۔ جیسے گردن کٹے کبوتر پھڑپھڑا رہے ہوں۔ پھر بی اماں آ کر انہیں سہارا دیتیں پیٹھ پر دھب دھب ہاتھ مارتیں۔

توبہ ہے ایسی کھانسی؟

اچھو کے دباؤ سے سرخ آنکھیں اوپر اٹھا کر ابا بے بسی سے مسکرا دیتے کھانسی تو رک جاتی مگر وہ دیر تک بیٹھے ہانپا کرتے۔

کچھ دوا دارو کیوں نہیں کرتے۔ کتنی بار کہا تم سے۔

بڑے شفا خانے کا ڈاکٹر کہتا ہے سوئیاں لگواؤ اور روز تین پاؤ دودھ اور آدھی چھٹانک مکھن

اے خاک پڑے ان ڈاکٹروں کی صورت پر بھلا ایک تو کھانسی اوپر سے چکنائی بلغم نہ پیدا کر دے گی۔ حکیم کو دکھاؤ۔ دکھاؤں گا۔ ابا حقہ گڑگڑاتے اور پھر اچھو لگتا۔

آگ لگے اس موئے حقے کو اسی نے تو یہ کھانسی لگائی ہے۔ جوان بیٹی کی طرف بھی دیکھتے ہو آنکھ اٹھا کر۔ اور اب ابا کبریٰ کی جوانی کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔ کبریٰ کی جوانی تھی۔ کون کہتا تھا جوان تھی۔ وہ تو جیسے بسم اللہ کے دن سے ہی اپنی جوانی کی آمد کی سناؤنی سن کر ٹھٹھک کر رہ گئی تھی نہ جانے کیسی جوانی آئی تھی۔ کہ نہ تو اس کی آنکھوں میں کرنیں ناچیں اور نہ اس کے رخساروں پر زلفیں پریشان ہوئیں نہ اس کے سینے میں طوفان اٹھے اور نہ کبھی اس نے ساون بھادوں کی گھٹاؤں سے مچل مچل کر پریتم یا ساجن مانگے۔ وہ جھکی جھکی سہمی سہمی جوانی جو نہ جانے کب دبے پاؤں اس پر رینگ آئی ویسے ہی چپ چاپ نہ جانے کدھر چل دی۔ میٹھا برس نمکین ہوا۔ پھر کڑوا ہو گیا۔

ابا ایک دن چوکھٹ پر اوندھے منہ گرے اور انہیں اٹھانے کے لیے کسی حکیم یا ڈاکٹر کا نسخہ نہ آ سکا اور حمیدہ نے میٹھی روٹی کے لیے ضد کرنی چھوڑ دی۔

اور کبری کے پیغام نہ جانے کدھر راستہ بھول گئے جانو کسی کو معلوم نہیں کہ اس ٹاٹ کے پردے
کے پیچھے کسی کی جوانی آخری سسکیاں لے رہی ہے اور ایک نئی جوانی سانپ کے پھن کی طرح اٹھ رہی ہے۔
مگر بی اماں کا دستور نہ ٹوٹا۔ وہ اسی طرح روز دوپہر کو سہ دری میں رنگ برنگے کپڑے پھیلا کر گڑیوں کا کھیل کھیلا کرتی ہیں
کہیں نہ کہیں سے جوڑ جمع کر کے شبراتی کے مہینے میں کریپ کا دوپٹہ ساڑھے سات روپے میں خرید ہی ڈالا۔
بات ہی ایسی تھی کہ بغیر خریدے گذارہ نہ تھا۔ منجھلے ماموں کا تار آیا کہ ان کا لڑکا راحت پولیس کی ٹریننگ کے سلسلے میں
آ رہا ہے۔ بی اماں کو تو بس جیسے ایک دم گھبراہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ جانو چوکھٹ پر برات آن کھڑی ہوئی ہو اور انہوں نے ابھی
دلہن کی مانگ کی افشاں بھی نہیں کتری ہو۔ اس نے جلدی سے اپنی منہ بولی بہن بندو کی ماں کو بلا بھیجا کہ بہن میرا مری کا
منہ دیکھو جو اسی گھڑی نہ آؤ۔ اور پھر دونوں میں کھسر پھسر ہوئی۔ بیچ میں ایک نظر دونوں کبری پر بھی ڈال لیتیں۔ جو
دالان میں بیٹھی چاول پھٹک رہی تھی۔ وہ اس کانا پھوسی کی زبان کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔
اسی وقت بی اماں نے کانوں کی چار ماشہ کی لونگیں اتار کر منہ بولی بہن کے حوالے کیں کہ
جیسے تیسے کر کے شام تک تولہ بھر گوکھرو چھ ماشے سلمہ ستارہ اور پاؤ گز نیفے کے لیے ٹول لا دیں۔ باہر کی
طرف والا کمرہ جھاڑ پونچھ کر تیار کیا۔ تھوڑا سا چونا منگا کر کبری نے اپنے ہاتھوں سے کمرہ پوت ڈالا۔ کمرہ
تو چٹا ہو گیا مگر اس کی ہتھیلیوں کی کھال اتر گئی۔ اور جب شام کو مسالہ پیسنے بیٹھی تو دوہری ہو گئی۔
ساری رات کروٹیں بدلتے گزری۔ ایک تو ہتھیلیوں کی وجہ سے دوسرے صبح کی گاڑی سے راحت آ رہے تھے۔

اللہ میرے اللہ میاں اب کے میری آپا کا نصیب کھل جائے۔ میرے اللہ میں سو رکعت نفل
تیری درگاہ میں پڑھوں گی۔ حمیدہ نے فجر کی نماز پڑھ کر دعا مانگی۔
صبح جب راحت بھائی آئے تو کبری پہلے ہی سے مچھر دانی والی کوٹھری میں جا چھپی تھی۔
جب سیویوں اور پراٹھوں کا ناشتہ کر کے بیٹھک میں چلے گئے تو دھیرے دھیرے نئی دلہن کی طرح پیر
رکھتی کوٹھری سے نکلی اور جھوٹے برتن اٹھا لیے۔
لاؤ میں دھو دوں بی آپا۔ حمیدہ نے شرارت سے کہا
نہیں۔ وہ شرم سے جھک گئی
حمیدہ چھیڑتی رہی۔ بی اماں مسکراتی رہیں۔ اور کریپ کے دوپٹے میں اپنا منہ چھپا لی۔
جس راستے کان کی لونگیں گئی تھیں اسی راستے پھول پتہ اور چاندی کی پازیب بھی چل دی۔ اور پھر ہاتھوں
کی دو دو چوڑیاں بھی جو منجھلے ماموں نے رنڈاپا اتارنے پر دی تھیں۔

چوتھی کا جوڑا

روز کی سوکھی خود کھا کر آئے دن راحت کے لئے پراٹھے تلے جاتے۔ کوفتے بھنے جاتے۔ پلاؤ مہکتے۔ اور خود سوکھا نوالہ پانی سے اتار کر وہ چونے والے داماد کو گوشت کے لچھے کھلاتیں۔

زمانہ بڑا خراب ہے بیٹی وہ حمیدہ کو منہ پھلائے دیکھ کر کہا کرتیں اور وہ سوچا کرتیں۔ ہم بھوکے رہ کر داماد کو کھلا رہے ہیں۔ بی آپا صبح سویرے اٹھ کر جادو کی مشین کی طرح جٹ جاتی ہے۔ نہار منہ پانی کا گھونٹ پی کر پراٹھے تلتی ہے۔ دودھ اونٹاتی ہے تاکہ موٹی سی ملائی پڑے۔ اس کا بس نہیں تھا کہ وہ اپنی چربی نکال کر ان پراٹھوں میں بھر دے۔ اور کیوں نہ بھرے۔ آخر ایک دن وہ اس کا اپنا ہو جائے گا۔ جو کچھ کمائے گا اس کی ہتھیلی پر رکھ دے گا۔ پھل دینے والے پودے کو کون نہیں سینچتا ؟

پھر جب ایک دن پھول کھلیں گے اور پھلوں سے لدی ہوئی ڈالی جھکے گی تو یہ طعنہ دینے والوں کو منہ پر کیسا جوتا پڑتا ہے۔ اور اس خیال سے ہی میری بی آپا کے چہرے پر سہاگ کھل اٹھتا۔ کانوں میں شہنائیاں بجنے لگتیں اور وہ راحت بھائی کے کمرے کو پلکوں سے جھاڑتیں۔ اس کے کپڑوں کو پیار سے تہہ کرتیں۔ جیسے وہ سب کچھ ان سے کہتے ہوں۔ وہ ان کے بدبودار چوہوں جیسے سڑے ہوئے موزے دھوتیں۔ بساندی بنیان اور ناک سے لتھڑے ہوئے رومال صاف کرتیں۔ اس کے تیل میں چیچیاتے ہوئے تکیے کے غلاف پر Sweet dream کاڑھتیں۔ پر معاملہ چاروں کونے چوکس نہیں بیٹھ رہا تھا۔ راحت صبح سویرے انڈے پراٹھے ڈٹ کر جاتا۔ اور شام کو آ کر کوفتے کھا کر سو جاتا۔ اور بی اماں کی منہ بولی بہن حکیمانہ اپنے انداز میں کھسر پھسر کرتیں۔

بڑا شرمیلا ہے بے چارہ بی آماں کہتی۔ ہاں تو بھئی شرم بھی ہے پر اجی کچھ تو پتہ چلے رنگ ڈھنگ سے کچھ آنکھوں سے۔ اے نوج خدا نہ کرے جو میری لونڈیاں آنکھیں لڑائیں۔ اس کا آنچل بھی نہیں دیکھا ہے کسی نے۔ بی اماں فخر سے کہتی۔

اے تو پردہ تڑوانے کو کون کہے ہے۔ بی آپا کے پکے ساماں کو دیکھ کر بی آماں کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے۔

اے بہن تم تو سچ مچ بہت بھولی ہو۔ یہ میں کب کہوں ہوں یہ چھوٹی نگوڑی کون سی بکریا کو کام آئے گی۔ وہ میری طرف دیکھ کر ہنستی۔ اری او نک چڑھی ہنیوں سے کوئی بات چیت کوئی ہنسی مذاق اری چل دلوائی،

اے تو میں کیا کروں خالہ؟

راحت میاں سے بات چیت کیوں نہیں کی؟

بھیا۔ ہمیں تو شرم آتی ہے۔

ارے ہے وہ تجھے تو پہاڑ ہی تو کھائے گا نا؟ بی اماں چڑ کر بولیں۔ میں تو مگر۔۔۔

میں لاجواب ہوئی۔ اور پھر مسکرائی۔ بڑی سوچ بچار کے بعد کھلی کے کباب بنائے گئے۔ آج

بی آپا کئی بار مسکرا کر بڑے چسکے سے بولیں۔

دیکھو ہنسنا نہیں۔ نہیں تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔

نہیں ہنسوں گی میں نے وعدہ کیا۔

کھانا کھا لیجئے۔ میں نے چوکی پر کھانے کی سینی رکھتے ہوئے کہا۔ پھر جو پٹی کے نیچے رکھے ہوئے لوٹے سے

ہاتھ دھوتے وقت میری طرف سر سے پاؤں تک دیکھا تو سرپٹ بھاگی وہاں سے۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اللہ توبہ کیا قتالہ آنکھیں۔

جا لگوڑ ماری اری دیکھو تو سہی۔ وہ کیا منہ بنا رہا ہے۔ اے ہے سارا مزا کرکرا ہو جائے گا۔

آپا بی نے ایک بار میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں التجا تھی۔ دولہا بھائی کی آنکھوں میں غبار تھا۔ اور چوٹی کھا

ئے پرانے چوڑے کی مانند اداسی میں سر جھکائے جا رہی پھر کھمبے سے ٹک کر کھڑی ہوگئی۔

راحت خاموش کھاتے رہے۔ میری طرف نہ دیکھا۔ کھلی کے کباب کھاتے دیکھ کر مجھے چاہئے تھا مذاق مذاق میں ہنسی اڑاتی

واہ جی واہ دولہا بھائی کھلی کے کباب کھا رہے ہیں۔ مگر جانے کسی نے میرا نرخرہ دبوچ لیا۔

بی اماں نے جل کر مجھے واپس بلا لیا۔ اور منہ ہی منہ میں مجھے کوسنے لگیں۔ اب میں ان سے کیا

کہتی کہ وہ تو مزے سے کھا رہے ہیں کمبخت۔

راحت بھائی! کوفتے پسند آئے؟ بی اماں کے سکھانے پر میں نے پوچھا۔

جواب ندارد۔

بتائیے نا؟

اری ٹھیک سے جا کر پوچھ" بی اماں نے ٹہوکا دیا۔

آپ نے لا کر دیئے اور ہم نے کھائے۔ مزیدار ہی ہوں گے۔

ارے واہ جنگلی" بی اماں سے رہا نہ گیا۔

تمہیں پتہ بھی چلا۔ کیا مزے سے کھلی کے کباب کھائے۔

کھلی کے؟ ارے تو روز کاہے کے ہوتے ہیں۔ میں تو عادی ہو چلا ہوں کھلی اور بھوسہ کھانے کا۔

بی اماں کا منہ اتر گیا۔ بی آپا کی جھکی ہوئی پلکیں اوپر نہ اٹھ سکیں۔

دوسرے روز بی آپا نے روز سے دوگنی سلائی کی۔ اور پھر جب شام کو میں کھانا لے کر گئی تو بولے۔

چوتھی کا جوڑا

کیسے آج کیا لائے ہیں؟ آج تو لکڑی کے برادے کی باری ہے

کیا ہمارے ماں کا کھانا آپ کو پسند نہیں آتا۔ میں نے جل بھن کر کہا

یہ بات نہیں کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ کبھی کوفتے کباب تو کبھی بھونسا کی ترکاری۔

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ہم سوکھی روٹی کھا کر اسے ہاتھی کا خوراک دیں گے۔ گھی ٹپکتے پراٹھے میری بی آپا کو جو شاید نصیب نہیں۔ اماں ہے دودھ ملائی کھلواتی۔ میں جھنجھلا کر چل گئی۔

بی اماں کی منہ بولی بہن کا نسخہ کام آ گیا اور راحت نے دن کا زیادہ حصہ گھر ہی میں گزارنا شروع کر دیا۔ بی آپا تو چولہے میں جھکی رہتیں۔ بی اماں چوتھی کے جوڑے سیا کرتیں اور راحت کی غلیظ آنکھیں تیر بن کر میرے دل میں چبھا کرتیں۔ بات بے بات چھیڑتا۔ کھانا کھلاتے وقت کبھی پانی تو کبھی نمک کے بہانے سے اور ساتھ ساتھ جملہ بازی۔ میں کھسیا کر بی آپا کے پاس جا بیٹھتی۔ جی چاہتا کسی دن صاف کہہ دوں کہ کس کی بکری اور کون ڈالے گھاس دانہ۔ اے بی مجھ سے تمہارا یہ بیل نہ ناتھا جائے گا۔ مگر بی آپا کے الجھے ہوئے بالوں پر چولہے کی اڑتی ہوئی راکھ۔ نہیں۔ میرا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ میں نے ان کے سفید بال لٹ کے نیچے چھپا دیئے۔ ناس جائے اس کمبخت نزلہ کا۔ بیچاری کے بال پکنے شروع ہو گئے۔

راحت نے کسی بہانے سے مجھے پکارا

میں جل گئی۔ بی آپا نے کٹی ہوئی مرغی کی طرح جو پلٹ کر دیکھا تو مجھے جانا ہی پڑا۔

آپ ہم سے خفا ہو گئیں؟ راحت نے پانی کا کٹورا لے کر میری کلائی پکڑ لی۔ میرا دم نکل گیا اور بھاگی تو ہاتھ جھٹک کر۔

کیا کہہ رہے تھے؟ بی آپا نے شرم و حیا سے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ میں چپ چاپ ان کا منہ تکنے لگی۔

کہہ رہے تھے کس نے پکایا ہے کھانا۔ واہ واہ جی چاہتا ہے کہ کھاتا ہی چلا جاؤں۔ پکانے والی کے ہاتھ کھا جاؤں۔ نہیں کھا نہیں جاؤں بلکہ چوم لوں۔ میں نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ اور بی آپا کو ذرا ہلدی دھنیا کی بُو میں بسا ہاتھ اپنے گال سے لگا لیا۔ میرے آنسو نکل آئے۔ یہ ہاتھ میں نے سوچا جو صبح سے شام تک مصالحہ پیستے ہیں۔ پانی بھرتے ہیں۔ پیاز کاٹتے ہیں۔ بستر بچھاتے ہیں۔ جوتے صاف کرتے ہیں۔ یہ بے کس غلام صبح سے شام تک جٹے رہتے ہیں۔ ان کی بے گار کب ختم ہو گی۔ کیا ان کا کوئی خریدار نہ آئے گا۔ کیا انہیں کبھی کوئی پیار سے نہ چومے گا

کیا ان کا کبھی مہندی نہ رچے گی۔ کیا ان میں کبھی سہاگ کا عطر نہ بسے گا؟ جی چاہا زور سے

چیخ پڑوں۔

امی کہا کرتی تھیں بی آپا کے ہاتھ تو اتنے گورے تھے۔ پر آواز اتنی رسیلی اور میٹھی تھی کہ اگر راحت کے کان ہوتے تو۔۔۔۔ مگر راحت کے نہ کان تھے نہ ناک بس دوزخ جیسا پیٹ تھا۔

امی کہا کرتی تھیں۔ ایسی بی آپا سے کہنا کہ اتنا کام نہ کیا کریں اور جوشاندہ پیا کریں۔

"چل چھوٹی"

ارے واہ چھوٹے سو گئے آپ کے وہ۔۔۔۔۔

ارے کمبخت مردار، اللہ نے میرا منہ بند کر دیا۔

دیکھو تو سویٹر بن گیا ہے انہیں دے آؤ۔ پر دیکھو تجھے میری قسم میرا نام نہ لینا۔

نہیں بی آپا انہیں نہ دو وہ سویٹر تمہاری ان منحی منی ہڈیوں کو سویٹر کی کتنی ضرورت ہے۔

میں نے کہنا چاہا پر نہ کہہ سکی۔ آپا بی تم خود کیا پہنو گی۔

ارے مجھے کیا ضرورت ہے۔ چولہے کے پاس تو ویسے ہی جھلسی اٹھی ہوں۔

سویٹر دیکھ کر راحت نے اپنی ایک ابرو شرارت سے اوپر تان کر کہا کیا یہ سویٹر تو آپ نے بنایا ہے؟

نہیں تو۔

تو بھی ہم نہیں پہنیں گے۔

میرا جی چاہا کہ اس کا منہ نوچ لوں۔ کمینے مٹی کے تھودے یہ سویٹر ان ہاتھوں نے بنے ہیں جو جیتے جاگتے غلام ہیں۔ اس کے ایک ایک پھندے میں کسی ارمان بھری دکھیاری کی نگاہیں الجھی ہوئی ہیں۔ یہ ان ہاتھوں کا بنا ہوا ہے۔ ان کو تھام لو گدھے کہیں کے۔ اور یہ دو پتوار بڑے سے بڑے طوفان کی تھپیڑوں سے تمہاری زندگی کی ناؤ کو بچا کر پار لگا دیں گے۔ یہ ستار کی گت نہ بجا سکیں گے رہنیں بیانو پر رقص کرنا نہیں سکھایا گیا۔ انہیں پھولوں سے کھیلنا نصیب نہ ہوا۔ مگر یہ ہاتھ تمہارے جسم پر چربی چڑھانے کے لئے صبح سے شام تک سلائی کرتے ہیں۔ صابن اور سوڈے میں ڈبکیاں لگاتے ہیں۔ چولہے کی آنچ سہتے ہیں۔ محنت نے ان میں زخم ڈال دیے ہیں۔ ان میں کبھی چوڑیاں نہیں کھنکتی ہیں انہیں کبھی کسی نے پیار سے نہیں تھاما۔

مگر میں چپ رہی۔ بی اماں کہتی ہیں میرا دماغ تو نئی نئی سہیلیوں نے خراب کر دیا ہے۔ وہ مجھے کیسی نئی نئی باتیں بتایا کرتی ہیں۔ کیسی ڈراونی موت کی باتیں بھوک اور کال

چوڑیوں کا جوڑا

کی باتیں۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ایک دم چپ ہو جانے کی باتیں۔

"یہ سوئیٹر تو آپ ہی پہن لیجئے۔ دیکھئے نا آپ کا کرتا باریک کتنا ہے۔" جنگلی بلی کی طرح میں نے اس کا منہ تاک کر یہاں اور بال نوچ ڈالے۔ اور اپنی پلنگڑی پر جا گری۔ بی آپا نے آخری روٹی ڈال کر جلدی جلدی تلے میں ہاتھ دھوئے اور آنچل سے پونچھتی ہوئی میرے پاس" وہ بولے! ان سے نہ رہا گیا تو دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

بی آپا! راحت بھائی مجھے ذرا اب آدمی ہیں۔ میں نے سوچا میں آج سب کچھ بتا دوں گی۔ "کیوں؟" وہ مسکرائیں۔ "مجھے اچھے نہیں لگتے۔ دیکھو میری ساری کی چوڑیاں چور ہو گئیں۔" ہنسی ~~[illegible]~~ ہنستے ہوئے کہا "بڑے شریر ہیں۔" انہوں نے رومانٹک آواز میں شرما کر کہا۔ "بی آپا ... سنو بی آپا یہ راحت اچھے آدمی نہیں۔" میں نے سلگ کر کہا۔ آج میں بی اماں سے کہہ دوں گی۔

"کیا ہوا؟" اماں نے ~~[illegible]~~ جانماز بچھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میری چوڑیاں بی اماں" راحت نے توڑ ڈالیں۔ بی اماں مسرت سے چہک کر بولیں۔ "ہاں؟ خوب کیا۔ تو اسے شرارتی بھی تو بہت ہے۔ اے ہے تو دم کاہے کو نکل گیا۔ بڑی موم کی بنی ہوئی ہو کہ ہاتھ لگا اور پگھل گئیں۔ ~~[illegible]~~ خیر تم بھی چوتھی میں بدلہ لے لیجو۔ وہ کسر نکالیو کہ یاد ہی کریں میاں جی۔ یہ کہہ کر انہوں نے نیت باندھ لی۔ منہ بولی بہن سے پھر کانفرنس ہوئی۔ اور معاملات کو امید افزا راستے پر گامزن دیکھ کر زیرِ لب خوشنودی سے مسکرا اٹھیں۔

اے ہے تو بڑی ہی ٹھس ہے۔ اے ہم تو اپنے بہنوئیوں کا خدا کی قسم ناک میں دم کر دیا کرتے تھے۔ اور وہ مجھے بہنوئیوں سے چھیڑ چھاڑ کے ہتھکنڈے بتانے لگیں کہ کس طرح انہوں نے صرف چھیڑ چھاڑ کے تیر بہدف نسخے سے ان دو ممیری بہنوں کی شادی کرائی جن کی ناؤ پار لگنے کے سارے موقع ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ ایک تو ان میں حکیم جی تھے۔ جہاں بے چارے کو لڑکیاں بالیاں چھیڑتیں شرمانے لگتے۔ اور شرماتے شرماتے اختلاج کے دورے پڑنے لگتے اور ایک دن ماموں صاحب نے کہہ دیا کہ مجھے غلامی میں لے لیجئے۔

دوسرے وائسرائے کے دفتر میں ~~[illegible]~~ کلرک تھے۔ جہاں سنا کہ باہر آئے لڑکیاں چھیڑنا شروع کر دیتی تھیں۔ کبھی گلوریوں میں مرچیں بھیج دیں۔ کبھی سوئیوں میں نمک ڈال کر کھلا دیا۔ اے لو وہ تو روز آنے لگے۔ آندھی آئے پانی آئے۔ کیا مجال جو وہ نہ آئیں۔ آخر ایک دن کہلوا ہی دیا اپنے ایک جان پہچان والے سے کہ ان کے ہاں ~~[illegible]~~ شادی کرا دو۔

پوچھا کہ بچی کس سے اتو کیا کسی سے بیاہ کر اچھوڑ اور خدا جھوٹ نہ بلائے۔ تو بڑی بہن کی
صورت تھی کہ دیکھو تو جیسے بیچا چلا آتا ہے۔ چھوٹی تو بس سبحان اللہ ایک آنکھ پورب تو دوسری پچھم۔ پندرہ تولے سونا دیا
ہے باپ نے اور بڑے صاحب کے دفتر میں نوکری الگ دلوائی۔
یہ بات نہیں ہے بہن۔ آجکل کے لڑکوں کا دل بس تھالی کا بینگن ہوتا ہے جدھر جھکاؤ ادھر ہی لڑھک جاتا
مگر راحت تو بینگن نہیں اچھا پہاڑ ہے۔ جھکاؤ دینے پر کہیں میں ہی نہ پس جاؤں۔ میں نے سوچا۔ بو میں نے آپا کی طرف دیکھا
وہ خاموش دہلیز پر بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی۔ اور سب کچھ سنتی جا رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو زمین کی چھاتی پھاڑ کر
اپنے کنوارے پن کا اظہار کرتی۔ کیا میری آپا مرد کی بھوکی ہے؟ نہیں وہ بھوک کے احساس سے پہلے ہی سہم
چکی ہے۔ مرد کا تصور اس کے ذہن میں رنگ امنگ بن کر نہیں ابھرا۔ بلکہ روٹی کپڑے کا سوال بن
کر ابھرا ہے۔ وہ ایک بیوہ کی چھاتی کا بوجھ ہے اس بوجھ کو دھکیلنا ہی ہوگا۔

مگر اشاروں کنایوں کے باوجود راحت میاں نہ تو خود منہ سے پھوٹے اور نہ ان
کے گھر ہی سے پیغام آیا۔ تھک ہار کر بی اماں نے پیروں کے توڑے گروی رکھ کر مشکل کشا کی نیاز دلا
ڈالی۔ دوپہر بھر محلے ٹولے کی لڑکیاں صحن میں دھما چوکڑی مچاتی رہیں۔ بی آپا شرماتی لجاتی مچھروں والی کوٹھری میں اپنے
خون کی آخری بوندیں چوسانے کو جا بیٹھیں۔ بی اماں کمزوری میں اپنی چوکی پر چوتھی کے جوڑے میں آخری ٹانکے لگاتی رہی۔
آج ان کے چہرے پر منزلوں کے نشان تھے۔ آج مشکل کشائی ہوگی۔ بس آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔ وہ بھی نکل
جائے گی۔ بی آپا کو سہیلیاں چھیڑ رہی تھی۔ بی آپا نے ع کو اشارے سے انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا۔
آنچل تھا کر نیاز کے ملیدے کی طشتری مجھے تھما دی۔
"اس پر مولوی صاحب نے دم کیا ہے" ان کی بخار سے دہکتی ہوئی گرم گرم سانسیں
میرے کان میں لگیں۔ طشتری لے کر میں سوچنے لگی۔ مولوی صاحب نے دم کیا ہے۔۔۔۔ یہ مقدس ملیدہ اب راحت
کے تنور میں جھونکا جائے گا۔ وہ تنور جو چھ مہینے سے ہمارے خون کے چھینٹوں سے گرم رکھا گیا ہے۔ یہ دم کیا
ہوا ملیدہ مراد بر لائے گا۔ میرے کانوں میں شادیانے بجنے لگے میں بھاگی بھاگی کوٹھے سے برات دیکھنے
جا رہی ہوں۔ دولہا کے منہ پر لمبا سا سہرا پڑا ہے۔ جو گھوڑے کی ایالوں کو چوم رہا ہے۔

چوتھی کا شہابی جوڑا پہنے پھولوں سے لدی شرم سے نڈھال۔ آہستہ آہستہ قدم
تولتی ہوئی بی اماں چلی آ رہی ہیں۔۔۔۔ چوتھی کا زرتار جوڑا جھلمل کر رہا ہے۔ بی اماں کا چہرہ پھول کی
طرح کھلا ہوا ہے۔ بی آپا کی حیا سے بوجھل نگاہیں ایک بار اوپر اٹھتی ہیں شکریے کا آنسو
ڈھلک کر افشاں کے ذروں میں قمقمے کی طرح الجھ جاتا ہے۔

یہ سب کبریٰ ہی کی میت کا پھل ہے۔ بی آپا کی خاموشی کہہ رہی ہے۔ حمیدہ کا گلا رندھ گیا۔

"جاؤ نا میری بہنو۔" بی آپا نے اسے جھنجھوڑا اور وہ چونک کر آنچل سے آنسو پونچھتی ہے اور ڈیوڑھی کی طرف بڑھی۔ "یہ ملیدہ" اس نے اچھلتے ہوئے دل کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔ اس کے پیر لرز رہے تھے۔ جیسے وہ سانپ کی بل میں گھسنے آئی ہو۔ اور پھر پہاڑ کھسکا اور منہ کھول دیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ مگر دور کہیں بارات کی شہنائیوں نے چیخ لگائی جیسے کوئی ان کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ کانپتے ہاتھوں سے مقدس ملیدہ کا نوالہ بنا کر اس نے راحت کی طرف منہ بڑھا دیا۔

ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پہاڑ کی کھوہ میں گہرا چلا گیا۔ نیچے تعفن اور تاریکی کے اتھاہ غار کی گہرائیوں میں ایک بڑی چٹان نے اس کی چیخ گھونٹ دیا۔ نیاز کا ملیدہ کی رکابی ہاتھ سے چھوٹ کر لالٹین کے اوپر گری اور لالٹین نے زمین پر گر کر دو چار سسکیاں بھریں اور گل ہو گئی۔ باہر آنگن میں محلے کی بہو بیٹیاں مشکل کشا کی شان میں گیت گا رہی تھیں۔

صبح کی گاڑی سے راحت مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اس کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی اور اسے جلدی تھی۔ اس کے بعد اس گھر میں کبھی انڈے نہ تلے گئے۔ پراٹھے نہ سکے اور سوئٹر نہ بنے۔ دق نے جو ایک عرصے سے بی آپا کی تاک میں بھاگی بھاگی آ رہی تھی۔ ایک ہی جست میں انہیں دبوچ لیا اور انہوں نے چپ چاپ اپنا نامراد وجود اس کی آغوش میں سونپ دیا۔

اور پھر اسی سہ دری میں چوکی پر صاف ستھری جازم بچھائی گئی۔ محلے کی بہو بیٹیاں کفن سفید لٹھا موت کے آنچل کی طرح اماں کے چہرے کے سامنے پھیل گیا۔ تحمل کے بوجھ سے ان کا چہرہ لرز رہا تھا بائیں ابرو پھڑک رہی تھی۔ گالوں کی سنسان گلیاں بھائیں بھائیں کر رہی تھیں۔ جیسے ان میں لاکھوں اژدہے پھنکار رہے ہوں۔

لٹھے کی کان نکال کر انہوں نے چوپرتہ کیا۔ اور ان کے دل میں ان گنت قینچیاں چل گئیں۔ آج ان کے چہرے پر بھیانک سکون اور ہرا ہوا اطمینان تھا۔ جیسے انہیں پکا یقین ہو کہ دوسرے جوڑوں کی طرح چوتھی کا جوڑا سینتا نہ جائے۔

ایک دم سہ دری میں بیٹھی لڑکیاں میناؤں کی طرح چہکنے لگیں۔ حمیدہ ماضی کو دور جھٹک کر ان کے ساتھ جا ملی۔ لال ٹول پر۔۔۔۔ سفید گزی کا نشان

اس کی سرخی میں نہ جانے کتنی معصوم دلہنوں کا سہاگ رچا ہے اور سفیدی میں کتنی نامراد کنواریوں کے کفن کی سفیدی ڈوب کر ابھری ہے۔ اور پھر ایک دم خاموش ہو گئے۔ بی اماں نے آخری ٹانکا بھر کے ڈورا توڑ دیا۔ دو موٹے موٹے آنسو ان کے روئی جیسے نرم گالوں پر دھیرے دھیرے رینگنے لگے۔ ان کے چہرے کی شکنوں میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ نکلیں اور وہ مسکرا دیں۔ جیسے آج انہیں اطمینان ہو گیا کہ ان کی کبریٰ کا سوہا جوڑا بن کر تیار ہو گیا ہو۔ اور کوئی دم میں شہنائیاں بج اٹھیں گی۔

[illegible] - II Hons.